ہے اس لیے شہادت کے قدیم طریقے برتنے کی کوئی حاجت نہیں۔ وہی مقصد دوسرے انداز سے زیادہ بہتر طریق پر پورا کیا جا سکتا ہے۔ ہماری اس تجویز پر اہل علم حضرات نے خاصا تعاقب فرمایا۔ یہ سب حضرات اپنی جگہ نیک نیت تھے۔ لیکن حقیقت حال پر غور نہ فرمانے کی وجہ سے ہماری اس تجویز کو رد کیا۔ تاہم زمانے نے ہمارا ساتھ دیا اور اب رویت ہلال کا فنی فیصلہ افتراق امت کے بغیر صحیح طور پر ہو جاتا ہے۔

ہم نے عائلی کمیشن کی رپورٹ مرتب کرنے میں خاصا کام کیا مگر اس وقت ہر طرف سے اس کی بھی مخالفت ہوئی۔ اب بحمد اللہ اسے منظور کر لینے کی سفارش کی گئی ہے۔

ہم نے موجودہ حکومت سے بہت پہلے نظام جاگیرداری کو ملک کے لیے ناسور قرار دیا تھا اور انفرادی ملکیت کی لامحدودیت کو محدود کرنے کے حق میں دلائل بھی دیے تھے۔ اس پر بھی مختلف حلقوں کی طرف سے مداخلت فی الدین کا فتویٰ دیا گیا حتیٰ کہ ہندوستان کے کئی جانے پہچانے ذمے دار اخباروں اور رسالوں نے بھی ہم پر مبلغ اشتراکیت ہونے کا شبہ ظاہر کیا۔ مگر ہمیں خوشی ہوئی کہ آخر موجودہ حکومت پاکستان نے جاگیرداری کے ناسور کو ختم کر دیا۔

یہی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب ہم نے خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں مضامین لکھے۔ مخالفت ابھی تک جاری ہے لیکن زمانہ اس کا ساتھ دے رہا ہے اور بعض دینی حلقوں کے مخصوص حضرات بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں جو زبانی اعتراف تو کرتے ہیں مگر اپنے حلقوں کے دباؤ کی وجہ سے لکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

ہر کیف ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے بہتیرے دینی تصورات کی تائید اب مختلف حلقوں سے ہوتی جا رہی ہے اور زمانے کی باجبروت رفتار خود بخود حقائق کو منواتی جا رہی ہے۔ ہماری جو تجاویز معقول ہوں گی انہیں زمانہ آخر کار مان ہی لے گا اور جو صحیح نہ ہوں گی انہیں زمانہ ہی ختم کر دے گا۔ ہم بہر حال نیک نیتی سے نئی دینی تعبیرات پیش کر رہے ہیں اور اسی تصور کے مطابق ہماری یہ گزارش ہے کہ اگرچہ زیر بحث حیثیت سے بھی آنحضرت ؐ کی اطاعت عین مقام رسالت کی اطاعت ہے لیکن اس میں عصری تقاضوں کے مطابق رد و بدل کرنا بھی عین منشائے نبوی ہی کی اطاعت ہے۔ یہ رد و بدل امیر وقت کے آرڈی ننس کی حیثیت رکھتی ہے خواہ یہ طویل المیعاد ہو یا قصیر المیعاد۔

میں بھی شدید بغض وعناد قائم تھا۔ کیونکہ ہرقل کے ایام میں جب یہودیوں نے حکومت کے مظالم سے تنگ آکر بغاوت کی تو انطاکیہ میں ان کا قتلِ عام کر دیا گیا۔ اس لیے دورِ فتوح میں اکثر یہودیوں نے نصرانیوں کو دھوکا دیا اور مسلمانوں کی مدد کی۔

ایران میں بھی مذہبی تفرقہ آخری حد کو پہنچ چکا تھا۔ مانی ومزدک کی تعلیمات کو آخر دور میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً شہنشاہ قباذ کی سرپرستی کے بعد۔ ان کی سب سے مشہور تعلیم یہ تھی کہ مال کی طرح عورتوں میں بھی اشتراکیت ضروری ہے۔ اور اس سے اجتماعی اخلاق برباد ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر زرتشتیوں کو فروغ ہوا اور انھوں نے مزدکیوں کی تکذیب شروع کی اور چاروں طرف فساد پھیل گیا۔ ان مذہبی جھگڑوں سے جذبۂ حب الوطنی کمزور پڑ گیا اور روم وفارس کی قومی وحدت ختم ہو گئی۔

یہ صحیح ہے کہ دینی تفرقہ سے یہ قومیں کمزور ہو گئی تھیں۔ لیکن ان کی شکست پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا کیونکہ اسلامی حملوں کے وقت یہ قومیں باوجود اختلافِ مذہبی کے کامل طور پر متحد تھیں اور جان توڑ کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں۔ اندرونی مذہبی خلفشار سے ان ملکوں کے دفاع پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بلکہ مفتوح ہونے کے بعد صدیوں تک ان کے تمام فرقے اسلام کی مخالفت کرتے رہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام میں جتنی بدعتی تحریکیں اٹھیں۔ وہ سب یہیں پروان چڑھیں۔ اسلام کے سیدھے سادے اصولوں کو ایرانی فلسفہ میں غرق کر دیا گیا۔ اور ایک نئے دین نے جنم لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام اصلی نہیں بلکہ ایرانی رنگ میں رنگا ہوا آیا۔

مشہور مورخ فلپ حتی اور بعض دوسرے مغربی مورخین مثلاً کتانی اور بیکر وغیرہ نے حیرت انگیز اسلامی فتوحات کا سبب معاشی عنصر میں تلاش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان مذہبی مفکرین ومورخین نے ان فتوحات کو خالص دینی رنگ میں پیش کیا ہے۔ لیکن فقط مذہبی جذبہ اتنا بڑا محرک نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ صحرائے عرب کے بدوی لوگ ہلالِ زرخیز کی شادابی وفراوانی کو لالچ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مالِ غنیمت کی لالچ میں جنگ کرتے تھے۔

چنانچہ حتی نے لکھا ہے کہ متقدمین کا یہ خیال درست نہیں کہ ابوبکرؓ وعمرؓ نے فتوحات کا کوئی مفصل نقشہ تیار کیا تھا۔ تاریخ کے بڑے بڑے حوادث یوں تدبیر وتفکر سے پیدا نہیں کیے جاتے وغیر متوقع طور پر ظہور میں آتے ہیں۔ حروبِ ردہ کے بعد عرب قبائل آپس میں لڑ نہیں سکتے تھے اس لیے ان کے جنگجویانہ رجحانات کو عراق وشام پر ابتدائی حملوں میں راہ ملی۔ جس کا مقصد صرف لوٹ تھا۔

سید مطلوب حسین

خلافتِ راشدہ میں فتوحات کے اسباب

اسلامی فتوحات کے بارے میں مستشرقین کا عام خیال یہ ہے کہ رومی اور ایرانی دونوں سلطنتیں باہمی اور پیہم جنگوں کی وجہ سے اس قدر کمزور ہوگئی تھیں کہ عربوں کے لیے ان کا فتح کرنا آسان ہوگیا تھا۔ نیز یہ دونوں سلطنتیں انتہائی انحطاط اور قومی انتشار میں مبتلا تھیں۔ اگر یہ توجیہہ صحیح ہے تو ان میں سے ایک حکومت کو دوسری پر غالب آجانا چاہیے تھا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک تو بہر حال زیادہ طاقتور تھی۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دوسری قوم جو حد درجہ قلیل التعداد اور کمزور تھی کس طرح ان دونوں پر غالب آگئی؟

عرب اہل بادیہ تھے۔ فارس و روم کے ہیبت و جلال سے ہمیشہ خائف رہتے تھے اور اس کی مثال دیا کرتے تھے۔ پھر ایک مٹھی بھر جماعت کو جس کی تعداد چند ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی ان دونوں سے قوت آزمائی کی جرأت کیونکر ہوئی۔ اور انہوں نے اسلام سے پہلے یہ جرأت کیوں نہ کی؟ اور وہ کیا معجزہ تھا جس سے انہوں نے دس سال کی قلیل مدت میں قیصر و کسریٰ کے پُر غرور دماغوں کو خاکِ مذلت پر گرادیا۔

شکست کا دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیاسی انحطاط کے علاوہ اجتماعی و دینی انتشار نے بھی ان ملکوں کو تباہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اسلامی حملہ کے وقت نصرانی تین بڑے فرقوں میں منقسم تھے۔ (۱) یعاقبہ۔ مصر و حبشہ میں (۲) نساطرہ۔ موصل، عراق اور فارس میں (۳) ملکانیہ۔ بلادِ مغرب، صقلیہ، اندلس اور شام میں۔

ان مذاہب میں عقائد کے جھگڑے شدید تھے۔ اور ان جھگڑوں کا اثر سیاست پر یہ پڑا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ اور اسکندریہ و انطاکیہ ایک حزب بن گئے۔ اور اہل شام و مصر حزبِ ثانی۔ اور نساطرہ حزبِ ثالث ہوگئے۔ جن کا زور جزیرہ اور عراق میں تھا۔ اس دینی تفرقے کی وجہ سے حکومت وقت سے اکثر تصادم ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ یعاقبہ اور نساطرہ وغیرہ پر تشدد کرتی تھی۔ اس کے علاوہ یہود و نصاریٰ

اہمیت دی جس کے نتیجہ میں یہ صفات پیدا ہوئیں۔ اور وہ عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان تھا۔ توحید کا یہ مفہوم تھا کہ انسان کو اپنی بندگی اور اپنی مخلوقیت کا احساس ہوا اور خدائے قادر مطلق کی اطاعت اور ہدایت کو اپنے لیے ضروری سمجھے۔ رسالت کا یہ مفہوم تھا کہ انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے بہترین اور مکمل ترین نمونہ سمجھیں۔ چنانچہ جو سوسائٹی رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئی وہ ان قدروں سے مستفید تھی۔ مسلمان تنظیم، اتحاد، اور اخوت و مساوات کی نعمتوں سے آراستہ تھے۔ ان کی روایتی شجاعت اور جنگی صلاحیتیں ان بنیادی اقدار کے زیر اثر شاندار فتوحات میں مدد و معاون بنیں۔ عقیدۂ آخرت کا یہ اثر ہوا کہ وہ موت سے خوف زدہ نہ تھے۔ اس لیے ہر جنگ میں غالب رہتے تھے۔

عربوں نے کسی مادی طاقت کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ اس کی سچائی اور رسول اللہ کے اخلاق سے متاثر تھے۔ ان کو یقین تھا کہ وہ حق پر ہیں اور حق کے لیے لڑ رہے ہیں۔ دربار فارس میں مغیرہ بن شعبہ نے جس بے جگری سے خطبہ دیا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ دینی مقاصد ان کی نظر میں اس قدر اہم تھے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں نے اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں تک سے جنگیں کیں جو محض دنیاوی مفاد کی خاطر ممکن نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ رسول اللہ نے ان کو بشارت دی تھی کہ وہ جلد ہی کسریٰ کے وارث ہوں گے۔ اور وہ اپنے رسولؐ کو سچا جانتے تھے۔ اور اس قول کی تعبیر دیکھنے کے آرزومند تھے۔ مسلمانوں کے برعکس رومیوں اور ایرانیوں کا مقصد عربوں کو لونڈی غلام بنانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ نصب العین کا یہ فرق اور عقیدہ کی پختگی بھی مسلمانوں کی کامیابی اور غیر مسلموں کی ناکامی کا بڑا سبب بنے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص نیا مذہب اختیار کرتا ہے وہ نئے مذہب کا سختی سے پابند ہوتا ہے۔ اور اس کی اشاعت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ یہی صورت عربوں کی تھی وہ اولوالعزم تھے۔ ایک نئے ولولہ سے سرشار تھے اور فتح و نصرت کا عزم صمیم رکھتے تھے۔

مفتوحہ ممالک میں حاکم و رعایا میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک طرف تو امراء دولت کے نشہ میں بدمست اور محو عیش و نشاط تھے اور دوسری طرف عوام جن کی آبادی زیادہ تر مزارعین اور غلاموں پر مشتمل تھی بھیڑ بکری سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ مصر میں قبطی رعایا رومی اقتدار سے نالاں تھی۔ چنانچہ جب مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے تو مقابلہ حکام سے ہوا اور عوام نے

لیکن جب تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی تو قابو سے باہر نکل گئی۔ مسلسل کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھائے اس کے بعد باقاعدہ جنگوں کے نقشے تیار کیے گئے۔ اب ایک سلطنت کا ظہور ناگزیر تھا۔

ان مورخین کا یہ کہنا کہ مسلمان محض لوٹ اور مالِ غنیمت کے لالچ میں حملہ آور ہوتے تھے۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ تاریخ سے کہیں بھی ثابت نہیں کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں کبھی بھی کسی قوم پر بلا وجہ حملہ ہوا ہو۔ نیز جب ہوا تو پہلے دو شرطیں پیش کیں۔ یعنی یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ دینا منظور کرو۔ ان دونوں شرائط سے انکار کی صورت میں جنگ ناگزیر ہو جاتی تھی۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جزیہ مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے نہیں لیا جاتا تھا بلکہ بقول ابن خلدون یہ اس لیے وصول کیا جاتا تھا تاکہ پتہ چلے کہ یہ قوم مسلمانوں کی امان میں ہے اور اپنی حفاظت کے لیے ایک مقررہ ٹیکس ادا کرتی ہے۔

فتوحات کے اصلی اسباب

مستشرقین و مورخین کے پیش کردہ ان اسباب کے بجائے مسلمانوں کی فتوحات کے حقیقی اسباب ان صلاحیتوں کا لازمی نتیجہ ہیں جو اسلام نے عربوں میں پیدا کر دی تھیں۔ اسلام نے اپنی ابتدا سیاست سے نہیں کی بلکہ ایک نئے دین اور ایک نئے معاشرہ کی تبلیغ و تلقین سے کی۔ اسلام کا اصلی مدعا انسانوں کی ذہنی اور اخلاقی تطہیر تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ صحیح عقیدہ اور فضائلِ اخلاق سے مزین ہو کر زندگی کے تمام کاموں کو صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ انہی کاموں میں سیاسی تنظیم بھی تھی۔ جب رسول اللہ نے ایک نئی سوسائٹی پیدا کر لی جو اس نئے دین اور نئے فکر کی حامل تھی تو اس سوسائٹی کو وسیع اور عالم گیر بنانے کے لیے آپؐ نے ایک مملکت کی بنا ڈالی۔ حضورؐ نے اس مملکت کی شکل اور انتظام کی تفصیلات کو زمان و مکان کے تقاضوں پر چھوڑ دیا۔ لیکن ان بنیادی قدروں کی وضاحت فرما دی جو اسلامی سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ہیں۔

اسلام نے یہ تعلیم دی کہ اس کائنات میں حاکم مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام انسان اس کی مخلوق اور بندے ہیں۔ اس لیے ان کے درمیان کامل مساوات ہے۔ یہی اسلامی مملکت کا پہلا اصول قرار پایا اور اس کے نزدیک نسل، قومیت، خاندان اور رنگ کے تمام امتیازات مٹ گئے۔ اس طرح جن لوگوں نے نئے عقیدہ کو قبول کیا ان کو اسلام نے ایک رشتہ میں پرو دیا۔ اس تصور سے اسلامی مملکت کا دوسرا اصول یعنی اخوت کا استخراج ہوا۔ لیکن سب سے پہلے اسلام نے اس عقیدہ کو

فلسطین اور مصر تھوڑے سے عرصے میں مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔ اور پھر مغرب کی فتح کا راستہ کھل گیا اور آغازِ اسلام کے ایک سو سال کے اندر اندر مسلمان فتوحات کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے فرانس کے میدانوں تک جا پہنچے۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان باقاعدہ منظم ہو کر لڑنے لگے۔

فنونِ حرب

فلپ حتّی (HITTI) لکھتا ہے کہ عربوں کی کامیابی کا ایک بڑا سبب ان کا مخصوص فنِ حرب تھا جو مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے کھلے میدانوں میں جنگ و قتال کے لیے نہایت موزوں تھا۔ یعنی رسالہ اور شتر سواروں کا استعمال۔ رومی اس فن میں کبھی کمال پیدا نہ کر سکے۔ شہسواری اور تیر اندازی میں بھی عربوں کو غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ مبارزت میں وہ ہمیشہ کامیاب رہتے تھے۔ اس کے علاوہ چند اور جنگی خصوصیتیں بھی تھیں۔ مثلاً

ا۔ ابتدائی حملوں میں مسلمان عام طور پر پسپا ہوتے تھے اور پھر دفعتہً بڑھ کر ایسی بہادری کا ثبوت دیتے تھے کہ مخالفین کے دلوں میں ان کا رعب قائم ہو جاتا۔ اور وہ مسلسل پسپا ہوتے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ واقعاتِ یرموک و قادسیہ نے ہی روم و ایران کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

ب۔ جب دشمن کے ملک میں اندرونی علاقوں میں گھستے تھے تو امدادی فوج کا انتظام کر لیتے تھے۔ اور خطِ رجعت کو محفوظ رکھتے تھے۔ دشمن کو پیچھے سے حملہ کرنے کا موقع نہ دیتے تھے۔ معرکۂ یرموک میں یزید بن ابی سفیان کی امداد مسلمانوں کے لیے محفوظ تھی۔ اسی طرح سے علاء حضرمی کی امداد کے لیے جب اصلحز فوج بھیجی گئی تو بصرہ سے اہواز تک فوجی چوکیاں قائم کر دی گئیں۔

ج۔ مسلمان جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تھے تو دشمن کے ذرائع مواصلات کو منقطع کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے محصورین تنگ آ کر خود ہی صلح کی درخواست کرتے تھے۔ فتح دمشق میں یہی تدبیر کارفرما تھی۔ اسکندریہ میں چونکہ مصریوں کا تعلق بحری راستہ سے رومیوں کے دارالسلطنت قسطنطنیہ سے تھا اس لیے یہ محاصرہ نسبتاً بہت طویل رہا۔

د۔ جب اپنے مقبوضہ علاقہ پر دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا تھا تو تمام قوت ایک جگہ جمع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مختلف مقامات پر خطوطِ دفاع قائم کرتے تھے۔ نیز دشمن کے لیے متعدد محاذ قائم کر دیتے تھے تاکہ اس کی طاقت منتشر رہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ مدد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ جب ہرقل نے حمص پر حملہ کیا اور اہلِ جزیرہ سے مدد چاہی تو عراقی فوج نے فوراً جزیرہ پر حملہ کر کے انہیں ہرقل کی مدد سے روک دیا۔

فاتحین کو خوش آمدید کہا۔ مقوقس مصر نے خود اسکندریہ کی فتح سے قبل اپنی قوم کے لیے عمرو بن العاص سے امان طلب کر لی تھی۔ اور وہ عملی طور پر جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ فتح کے بعد جب عوام کا مسلمانوں سے اختلاط ہوا تو وہ ان کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کو دینی، معاشرتی و تمدنی تمام امور میں آزاد رکھا۔ اس کرم کا یہ تقاضا تھا کہ مقامی آبادی کے سوادِ اعظم نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بعد کی فتوحات میں اسلام کی خدمات انجام دیں۔

اسلام نے ایسی تعلیمات پھیلائیں کہ خلافت کے ایام میں ہر شخص ہر کام کے لیے موزوں نظر آتا تھا یہ اسلام کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ اسامہؓ بن زیدؓ جیسا شخص حدودِ شام کی جنگوں سے نہایت کامیابی و کامرانی سے واپس آتا ہے۔ اسی قسم کے کئی ایک اور واقعات ملتے ہیں جن میں بہت سے گمنام لوگوں نے وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ مہموں پر روانگی سے قبل جو بھی آدمی نظر آگیا اسی کو روانہ کر دیا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص اس کام کے لیے نہایت ہی موزوں ثابت ہوا۔

یہود و نصاریٰ میں سخت بغض و عناد قائم تھا۔ ہرقل کے ایام میں جب یہودیوں نے حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بغاوت کی تو انطاکیہ اور دیگر مقامات میں ان کا قتلِ عام کر دیا۔ اس وجہ سے دورِ فتوحات میں اکثر یہودیوں نے نصرانیوں کو دھوکا دیا اور اپنا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کی مدد کی۔ فتح قیساریہ اسی وجہ سے ہوئی۔

جنگِ یرموک

ابتدائی اسلامی فتوحات میں معرکۂ یرموک کی بہت اہمیت ہے۔ رومی سلطنت کوئی ایک ہزار برس سے مشرقِ اوسط میں قائم تھی۔ لیکن ایسی فیصلہ کن شکست اس کو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ بھی ایک حقیر اور عرب کے بے خانماں بدوؤں کے ہاتھوں۔ اس شکست کا منظر ہرقل قیصر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اب مشرق میں اس کا ستارہ غروب ہو گیا۔ اس کے بعد پھر شام میں کوئی زبردست جنگ نہیں ہوئی۔ عربوں کی اس فتح کا نفسیاتی اثر ایران پر بھی پڑا۔ روم و ایران صدیوں سے آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ اکثر ایرانی ہی اس میں مغلوب ہوتے تھے۔ جب انہوں نے عربوں کو قیصر کی زمین کا وارث ہوتے ہوئے دیکھا تو ان کی ہمتیں خود پست ہو گئیں۔ نیز عربوں کو یہ فائدہ ہوا کہ ایک تو ان کی معاشی حالت بہتر ہو گئی دوسرے ایک محاذ سے انہیں فرصت مل گئی۔ اب ان کا مقابلہ صرف ایرانیوں سے تھا جو پہلے سے ہی خوف زدہ تھے۔ اسی وجہ سے قادسیہ کا واقعہ محض یرموک کا تتمہ ہے۔ اس جنگ کے بعد شام،

شاہد حسین رزاقی

انڈونیشیا میں ولندیزی عہدِ حکومت

انڈونیشیا کے جزیرے گرم مسالوں اور دوسری تجارتی اشیاء کی افراط کے لیے بہت مشہور تھے۔ اور دور دراز ممالک کے تاجر قدیم زمانے سے ان جزائر سے تجارت کر رہے تھے۔ اس تجارت میں عربی، ہندی اور چینی تاجروں کا بڑا حصہ تھا۔ اور یورپی ممالک میں بھی یہ جزیرے گرم مسالوں کے جزائر کے نام سے مشہور تھے۔ اس شہرت نے یورپ کی تجارت پیشہ اقوام کو مشرقی ممالک سے تجارت کرنے پر متوجہ کیا اور جب واسکوڈاگاما نے جنوبی افریقہ کا چکر کاٹ کر مشرق بعید پہنچنے کا بحری راستہ معلوم کر لیا تو فرنگی تاجروں کے لیے مشرق کا دروازہ کھل گیا۔ سولہویں صدی کے آغاز میں جب کہ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سلطنتیں عروج پر تھیں۔ یورپی ممالک سے تاجروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے پرتگالی آئے۔ پھر ایک صدی کے بعد ہسپانوی آئے اور ان کے بعد ولندیزی اور انگریز تاجروں نے ان جزائر سے تجارت شروع کر دی۔

پرتگالیوں کا دور

واسکوڈی گاما نے ۱۴۹۸ء میں انڈونیشیا کے چند جزائر کا چکر لگایا اور یہاں کے حالات معلوم کیے تھے۔ اس کی واپسی کے بعد ان جزیروں سے تجارت کرنے کے لیے پرتگال سے تجارتی جہاز روانہ کیے گیے جن کا انتظام لوپیز ڈی سیکوئرا کے تفویض کیا گیا۔ یہ جہاز سماٹرہ ہوتے ہوئے ملایا پہنچے اور ملکّا میں لنگر انداز ہوئے۔ وہاں کا حکمران سلطان محمد تھا جو یہ خوب جانتا تھا کہ پرتگالی تاجروں نے جنوبی ہندوستان میں اپنا سیاسی اثر کس طرح جما لیا تھا۔ اس لیے اس نے پرتگالی جہازرانوں کو گرفتار کر لیا۔ اور یہ مہم ناکام ہو گئی۔ اس زمانے میں ہندوستان میں پرتگالی مقبوضات کا گورنر البوقرق تھا۔ اس کو شاہِ پرتگال نے ملکّا پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۱۵۱۱ء میں البوقرق نے سلطان محمد کو شکست دی اور ملکّا میں پرتگالیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ البوقرق نئے پرتگالی مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا۔ اور اس نے اپنا سیاسی اقتدار مضبوط کرنے کے بعد انڈونیشیا میں عربی اور ہندی

تھے۔ دشمن کی طاقت کو توڑ لیتے تھے اور دشمن کے آدمیوں سے ہی جاسوسی کا کام لے کر مفید معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ تکریت، دموصل کے معرکوں میں ایرانیوں کے مقابلہ میں نصارائے عرب کو کامیابی حاصل کی گئی۔ اور تستر کا شہر ایک ایرانی کی ہی کارگزاری سے فتح ہوا۔

فتوحات کے حقیقی اسباب کا جائزہ ہم لے چکے لیکن اس سے بھی محیر العقول بات یہ ہے کہ فتوحات کی نوعیت عارضی نہیں تھی بلکہ ابدی اور دوامی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے کشور کشا گزرے لیکن آج ان کا تذکرہ صرف تاریخ کی کتابوں میں باقی ہے۔ سکندر کی زمین کا کون وارث ہے؟ سیزر کے جانشین کہاں ہیں؟ چنگیز و ہلاکو کی ستمرانیت کے صرف افسانے باقی ہیں۔ تیمور کی جاہ و حشمت محض داستان پارینہ بن کر رہ گئی ہے۔ برعکس ان کے فاتحین اسلام کے قدم جس سرزمین پر پہنچ گئے آج تک وہاں سے توحید کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام پر قابو رکھنے کے لیے کبھی وحشت و بربریت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان کی بستیاں ویران نہیں کیں۔ آبادیاں برباد نہیں کیں۔ ان کی فصلیں تباہ نہیں کیں۔ بلکہ ایک مضبوط اور پائیدار نظام کے تحت ان کی معاشی اور معاشرتی حالت میں انقلاب برپا کر دیا وہ زمینیں جو قیاصرہ و اکاسرہ کے زمانہ میں بنجر پڑی تھیں اب لالہ زار بن گئیں۔ بے آب و گیاہ میدان سرسبز و شاداب مرغزاروں میں تبدیل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے آبپاشی کے لیے نئی نہریں کھدوائیں۔ حکومت کے اس اقدام سے رعایا مرفہ الحال ہو گئی۔ کسان فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور فاقہ کش سلطان بن بیٹھے۔ اب عوام شاہان روم و فارس کے پجاری نہ تھے۔ بلکہ مالک حقیقی کے غلام اور حلقہ بگوش تھے۔ اس لیے کسی مادی طاقت سے خائف نہ تھے۔ اب وہاں انسانیت نہیں سسکتی تھی۔ اب چار پیسے کی خاطر کسی کی عزت نہیں بکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ فتح اسلام روئے زمین پر انسانیت کی پہلی فتح تھی۔ حکومت کے عوامی اور جمہوری نظریے اسی دور کی پیداوار ہیں۔

جب ملک میں امن و امان کی ارزانی اور دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو علوم و فنون میں خود بخود ترقی ہوتی ہے۔ عرب چونکہ فاتحین تھے اس لیے انہوں نے صرف فوجی کاموں میں حصہ لیا۔ لیکن اندرونی اور بین الاقوامی تجارت، صنعت و حرفت کی ترقی، دفاتر کا کام، مدارس اور تصنیف و تالیف وغیرہ یہ سب خدمات مفتوحہ اقوام کے حصہ میں آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے مشہور علماء انہیں علاقوں سے پیدا ہوئے مشہور مورخین ہیں سے اٹھے۔ سائنس اور فلسفہ کو انہوں نے ہی ترقی دی اور یہیں سے وہ صناع اور مصور ابھرے جنہوں نے دوسری تیسری صدی ہجری میں عالم اسلام کو تمدن و شائستگی کے سب سے اونچے مرتبہ پر پہنچا دیا۔

کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اور آخر کار انہوں نے بدرجۂ مجبوری راسِ امید والا راستہ ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۵۹۵ء میں ان کا پہلا تجارتی بیڑہ کارنیلیس ہوٹمن کی قیادت میں روانہ ہوا۔ اس کو راستے میں بڑی تکلیفوں اور تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جو لوگ بچ گئے وہ دو سال کے بعد جب وطن واپس آئے تو بڑی قیمتی چیزیں لے آئے۔ انہوں نے بانتن کے سلطان سے ایک تجارتی معاہدہ بھی کیا تھا۔ جو ولندیزی تاجروں کے لیے باعث کشش تھا۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے اور مشرقی جزائر سے تجارت کرنے کے لیے کمپنیاں قائم ہونے لگیں۔ پانچ سال کے عرصہ میں ولندیزیوں نے ہندوستان اور مشرقی جزائر سے تجارت کے لیے ستر جہاز روانہ کیے۔ اور تجارت کی اس ترقی کے ساتھ یہ خیال بھی عام ہونے لگا کہ ان جہازوں کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مناسب انتظام ہونا چاہیے۔ تجارتی رقابت کی وجہ سے یہ ولندیزی تاجر آپس میں لڑنے لگے۔ اور دوسری طرف دیسی حکمرانوں اور پرتگالیوں سے لڑائیاں شروع ہوگئیں جس کی وجہ سے ہالینڈ میں تاجروں کا منافع کم ہوگیا۔ چیزوں کی قیمت بڑھ گئی اور تجارتی کمپنیوں میں بدنظمی پیدا ہوگئی۔

تجارتی کمپنی کا قیام ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے متفرق کمپنیوں کو ملا کر ایک ادارہ بنانے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اور ۲۰ مارچ ۱۶۰۲ء کو اسٹیٹس جنرل نے ایک منشور کے ذریعہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کر دی۔ جس کے دو اہم مقاصد تھے۔ ایک تو بحر ہند کے وسیع علاقوں میں ولندیزیوں کی تجارت کو منظم کر کے اس کا تحفظ کرنا اور دوسرے اسپین اور پرتگال کے خلاف آزادی کی طویل جنگ کو جاری رکھنے میں مدد دینا۔ اس کمپنی کے حصص فروخت کر کے کثیر سرمایہ جمع کیا گیا۔ تجارت کو منظم کرنے کے لیے مقامی بورڈ بنائے گئے اور نگرانی کے اختیارات ایک اعلیٰ ادارہ کے تفویض کیے گئے جو کا لجیم کہلاتا تھا۔ اس کے سترہ ممبر تھے جن میں سے ۱۶ ممبر تو مقامی بورڈوں کے ڈائرکٹروں میں سے چنے جاتے تھے اور سترھواں رکن یہ سولہ اراکین مل کر منتخب کرتے تھے۔ ہیگ میں دس ممبروں کی ایک کمیٹی بنائی گئی جو کمپنی اور اسٹیٹس جنرل کے درمیان رابطہ قائم رکھتی تھی۔ اس منشور کے مطابق کمپنی کو وسیع اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ اس کو مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کی اجارہ داری دی گئی تھی۔ درآمدی محاصل معاف کر دیے گئے تھے۔ اور برآمدی محصول بھی برائے نام لیا جاتا تھا۔ تجارتی مراعات کے علاوہ بحری اور بری فوج رکھنے قلعے بنانے، نوآبادیاں قائم کرنے، جنگ اور صلح کرنے، معاہدے کرنے اور سکے ڈھالنے کے

تاجروں کی تجارت کو ختم کرنے پر توجہ کی۔ چنانچہ اس نے ایک بحری بیڑا جزائر مالوکا کو روانہ کیا جو گرم مسالوں کی تجارت کے سب سے بڑے مرکز تھے۔ پرتگالی اپنی اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے جزیرہ امبون پر قبضہ کر لیا۔ پھر ملوکا کے دوسرے جزائر کا رخ کیا۔ اور مقامی حکمرانوں سے تجارتی معاہدے کر کے ساحلی علاقوں میں تجارتی کوٹھیوں کے نام سے بڑے بڑے قلعے بنا لیے۔ انہوں نے ترناتے میں اپنا مستقر قائم کیا اور رفتہ رفتہ اس جزیرے پر قبضہ کرنے کے بعد تیدورے اور دوسرے جزائر پر بھی قابض ہو گئے۔ ان جزیروں پر ان کی حکومت تقریباً ساٹھ سال تک قائم رہی۔

۱۵۹۵ء میں پرتگالی تاجر جاوا بھی پہنچ گئے۔ اس زمانے میں یہاں مسلمانوں کی طاقتور سلطنتیں قائم تھیں اس لیے پرتگالیوں نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ تجارت میں مصروف رہے۔ چند سال کے بعد ان جزائر میں ولندیزی تاجر بھی پہنچ گئے اور ان سے جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخر کار ولندیزیوں کو کامیابی ہوئی اور تیمور کے کچھ حصہ کے سوا پرتگالیوں کے ہاتھ سے ان کے تمام مقبوضہ جزائر نکل گئے۔ انڈونیشیا میں ولندیزیوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد پرتگالی یہاں کی تجارت سے بھی محروم ہو گئے۔

ہسپانیہ کی ناکامی | سیاست اور تجارت دونوں میدانوں میں پرتگالیوں کے رقیب ہسپانوی تھے۔ ۱۵۲۲ء میں ایک ہسپانوی بیڑے نے فلپائن کے چند جزیروں پر قبضہ کر لیا اور پھر جزائر مالوکا کا رخ کیا۔ ۱۵۲۵ء میں مالوکا کے کچھ جزائر ان کے قبضے میں آ گئے۔ اور پرتگالیوں سے لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تین سال تک مسلسل لڑائیوں کے بعد اسپین اور پرتگال کے حکمرانوں نے ان جزائر کے متعلق ایک معاہدہ کر لیا جس کے مطابق مالوکا کے کچھ جزائر پر اسپین کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ کچھ عرصہ تک تو اس معاہدہ پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن اس کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ ۱۵۷۰ء میں پرتگالیوں نے ہسپانوی تاجروں کو فیصلہ کن شکست دی اور ان کو یہ جزائر خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔

ولندیزی فتوحات

ولندیزی تاجروں کی آمد | پرتگالی تاجر مشرقی ممالک سے جو پیداوار اپنے ملک میں لاتے تھے اس کو شمالی یورپ کے ملکوں میں لے جانے کا کاروبار ولندیزیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۵۸۰ء میں اسپین اور پرتگال کے الحاق سے ولندیزیوں کے اس کاروبار کو بہت نقصان پہنچا اور لسبن کی بندرگاہ ان کے لیے بند کر دی گئی۔ ولندیزیوں نے یورپ اور ایشیا کے شمال سے گزر کر مشرق بعید پہنچنے کی

۱۶۱۴ء میں قبضہ کر کے نوآبادی قائم کی تھی اور اس کو عیسائیت کی تبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔ یہاں رفتہ رفتہ ان کی طاقت بڑھتی گئی۔ اور ۱۶۶۹ء میں سلادیسی پران کا قبضہ ہوگیا۔ سلطان بانتن نے ولندیزیوں کو بورنیو میں تجارتی جارہ داری دی تھی۔ آگے چل کر سلطان سے تعلقات خراب ہو گئے اور ۱۷۳۳ء میں ولندیزیوں نے بورنیو کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۴۲ء میں بالی ان کے زیر اثر آیا اور ۱۸۴۹ء میں انہوں نے تیمور پر قبضہ کیا۔ لیکن ۱۸۵۹ء میں یہ جزیرہ ولندیزیوں اور پرتگالیوں میں تقسیم ہوگیا۔ انیسویں صدی میں ۱۸۱۴ء اور ۱۸۷۴ء کے درمیان جزائر بنکا، بلیتون لمبوک سومبا، سمباوا اور فلورس بھی ولندیزیوں کے قبضے میں آ گئے اور بیرونی جزائر پر ولندیزی اقتدار قائم ہوگیا۔

جاوا پر قبضہ

سلطنت بانتن جاوا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں ماترم اور بانتن۔ ۱۵۹۵ء میں ولندیزی جب بانتن آئے تو سلطان سے تجارتی اجارہ داری حاصل کی۔ اور بانتن اور اس کے زیر اثر علاقوں میں تجارت کرنے لگے۔ یہ سلسلہ ۱۶۱۰ء تک جاری رہا۔ اس دوران میں ولندیزیوں نے جکارتا کے امیر سے اجازت لے کر وہاں تجارتی کوٹھی قائم کر لی۔ سلطان بانتن نے جب یہ دیکھا کہ ولندیزی تاجر خودسری کرنے لگے ہیں تو اس نے سختی کی اور اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس لیے ولندیزی بانتن سے نکل کر جکارتا چلے گئے۔ اور امیر جکارتا کی اجازت کے بغیر وہاں قلعہ بنانے لگے۔ امیر نے اس کی مخالفت کی اور سلطان بانتن سے مدد چاہی۔ سلطان کے علاوہ انگریزوں نے بھی امیر جکارتہ کی مدد کی اور جنگ میں ولندیزیوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ وہ جاوا چھوڑ کر امبون چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطان بانتن اور امیر جکارتا میں اختلاف ہوگیا۔ اور آپس کی لڑائی میں دونوں تباہ ہو گئے۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر ۱۶۱۹ء میں ولندیزی پھر واپس آ گئے۔ جکارتا میں قلعہ بنالیا اور اس کے گرد بٹاویا کے نام سے ایک نیا شہر بسایا جو کچھ دنوں بعد ولندیزیوں کا مستقر بن گیا۔ ۱۶۸۲ء میں بانتن کے سلطان اور ولی عہد میں شدید اختلاف پیدا ہوا اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ولندیزیوں نے ولی عہد کی حمایت کی کیونکہ سلطان ان کا بہت مخالف تھا۔ اس خانہ جنگی میں ولی عہد کو کامیابی ہوئی اور ولندیزیوں کا اثر قائم ہوگیا۔ اس کے بعد بانتن کی سلطنت زوال پذیر ہوتی گئی۔ اور آنے والے حکمران اس قدر کمزور ہو گئے کہ

اختیارات بھی اس کے تفویض کر دیے گئے تھے۔ عاملہ، عدلیہ اور مقننہ ہر طرح کے تمام اختیارات پورے طور پر اس کمپنی کو حاصل تھے۔ یہ کمپنی ۱۶۰۲ء میں قائم ہوئی تھی اور ۱۶۶۹ء میں وہ اتنی طاقتور ہو گئی کہ اس کے پاس ۱۵۰ تجارتی جہاز، ۴۰ جنگی جہاز اور ۱۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی۔ اور اس کی آمدنی اتنی زیادہ تھی کہ جنگوں کے کثیر مصارف کے بعد بھی وہ حصہ داروں کو ۴۰ فی صدی منافع دیتی تھی۔

تجارتی کوٹھیاں | ولندیزی کمپنی نے انڈونیشیا میں اپنے قدم جمانے کے لیے سب سے پہلے آچیہ کے سلطان سے مراعات حاصل کیں۔ ۱۶۶۵ء میں پاڈانگ کے امیر سے معاہدہ کر کے تجارتی کوٹھی بنائی۔ لیمپونگ میں تجارتی اجارہ داری حاصل کی اور پلیم بانگ میں بھی اپنا تجارتی مرکز قائم کیا۔ منتگ کباؤ کے ہندو راجاؤں کی مدد سے نوآبادیاں اور فوجی اڈے بھی بنا لیے۔ اس طرح رفتہ رفتہ سماٹرہ کے بڑے حصہ میں کمپنی کی تجارت پھیل گئی۔ پہلے ان تمام جزائر کی تجارت پرتگالیوں کے ہاتھ میں تھی اور اس تجارتی رقابت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ پرتگالیوں کے خلاف لڑائیوں میں ولندیزیوں نے مقامی حکمرانوں کی امداد آسانی سے حاصل کر لی کیونکہ یہ حکمراں پرتگالیوں کے مذہبی تعصب و تشدد اور سیاسی چیرہ دستیوں سے بہت نالاں تھے۔ پرتگالیوں کی شکست سے جزائر مالوکا میں ولندیزیوں کا اثر قائم ہو گیا اور وہاں انہوں نے تجارتی کوٹھیاں بنائیں اور معاہدے کر کے اجارہ داریاں حاصل کیں۔ جب انگریز تاجر بھی مشرق الہند پہنچے تو پھر تجارتی رقابت نے شدید کشمکش پیدا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ولندیزیوں کو برِاعظم ایشیا اور جزیرۂ سیلون سے تو نکلنا پڑا، لیکن ۱۶۱۳ء اور ۱۶۳۲ء کے درمیان ولندیزی انگریزوں کو انڈونیشی جزائر سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

چھوٹے جزائر پر قبضہ | ولندیزی چاہتے تھے کہ تمام جزائر کی تجارتی اجارہ داری ان کو حاصل ہو جائے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے سیاسی اقتدار اور قبضہ جمانے کا سلسلہ شروع کیا۔ دیسی حکمرانوں کی باہمی عداوت اور کمزوری سے ولندیزیوں کو موقع مل گیا۔ اور رفتہ رفتہ انہوں نے مختلف جزائر پر قبضہ کر لیا۔ سب سے پہلے ان کا سیاسی اقتدار جزائر مالوکہ میں قائم ہوا۔ ۱۶۵۴ء میں ولندیزیوں نے تدورے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۶۷۶ء میں سلطان ترناتے کی مدد سے ہماہیرا حاصل کیا اور اس کے بعد ۱۶۸۳ء میں ترناتے، امبون اور بورو قبضے میں آ گئے اور سیرام پر بھی اثر قائم ہو گیا۔ نیوگینی ترناتے کا علاقہ تھا اور ۱۶۸۵ء میں وہ بھی مل گیا۔ اس صدی کے آغاز میں ولندیزیوں نے جزائر باندا میں تجارتی حقوق حاصل کیے تھے اور ۱۶۲۱ء میں ان پر قبضہ بھی کر لیا مکاسر پر ولندیزیوں نے

پاکوبوانو ولندیزیوں کی مدد سے کامیاب ہوا اور ان کو مشرقی مادورا اور جاوا کے کئی علاقے عطا کیے اس طرح ماترم میں ولندیزیوں کے قدم اور مضبوط ہو گئے۔ ماترم بڑی سلطنت تھی اور اس کے پھر طاقتور بن جانے کا امکان تھا۔ اس لیے ولندیزیوں نے اس کو بالکل کمزور کر دینے کے لیے ۴۲ علاقوں میں تقسیم کر دیا اور ان علاقوں کے حاکموں کو اتنے اختیارات دیے کہ وہ خودمختار بن گئے اور پاکوبوانو محض نام کا شہنشاہ بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ولندیزیوں نے سلطنت کے کلیدی عہدوں پر اپنے وفادار لوگوں کا تقرر کروایا اور شہنشاہ بالکل کٹھ پتلی بن گیا۔ ۱۷۴۶ء میں عہد نامہ سوراکارتا ہوا جس کے مطابق ولندیزیوں نے تمباکو کی اجارہ داری حاصل کر لی جو اس علاقے کی خاص پیداوار تھی۔

ماترم کی تقسیم ولندیزیوں کے جارحانہ طرزِ عمل کے خلاف جاوا کے امیروں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور آخر کار کئی لڑائیوں کے بعد ولندیزیوں نے اپنے حامی پاکوبوانو سوم کو تخت نشین کیا جس سے یہ معاہدہ ہوا کہ آئندہ ماترم کے تمام حکمران ولندیزیوں کی نگرانی میں حکومت کریں گے۔ پاکوبوانو کے بھائی منگ کابومی نے اس کی شدید مخالفت کی اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ منگ کابومی سے پاکوبوانو اور ولندیزیوں نے دو جنگیں کیں ان کو دونوں بار شکست ہوئی اور یہ حال دیکھ کر ولندیزیوں نے فریب سے کام لیا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں میں مصالحت کرانے کے لیے ۱۷۵۵ء میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ولندیزیوں نے یہ طے کروالیا کہ ماترم کے دو حصے کر دیے جائیں ایک کا حکمران منگ کابومی ہو اور دوسرے کا پاکوبوانو۔ چنانچہ منگ کابومی کو سلطان جوگجا کارتا اور پاکوبوانو کو سلطان سوراکارتا بنایا گیا۔ اس طرح یہ سلطنت جو پہلے ہی بہت کمزور ہو گئی تھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جن کی حیثیت محکوم دیسی ریاستوں سے زیادہ نہ تھی۔ اور جاوا پر بھی ولندیزیوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔

سماترہ پر قبضہ

پاڈانگ ولندیزیوں کو سماترہ پر قبضہ کرنے میں سب سے زیادہ دشواری کا سامنا کرنا پڑا جہاں تحریک مجاہدین اور مسلسل طویل جنگوں نے مدت دراز تک ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ آچیہ سماترہ میں سب سے بڑی سلطنت تھی اور ولندیزی جب تجارت کے لیے سماترہ آئے تو آچیہ کے سلطان سے تجارتی مراعات حاصل کر کے یہاں اپنے تجارتی مرکز قائم کیے تھے۔ سماترہ کے مغربی ساحل پر

ولندیزیوں کے اشاروں پر کام کرنے لگے۔ چنانچہ بانتن پر ولندیزیوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

سلطنت ماترم بانتن اور جکارتا کے کمزور پڑ جانے کے بعد ولندیزیوں نے جاوا کی سب سے بڑی سلطنت ماترم کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جب ولندیزی آئے تھے تو ماترم کا فرمانروا سلطان اگنگ تھا۔ جو اس خاندان کا بڑا باعظمت حکمران تھا۔ اس نے ولندیزی خطرہ کو محسوس کر لیا اور ان کو جاوا سے نکال دینے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ سلطان نے فوج کشی کی اور بٹاویا میں ولندیزی قلعے کو مسمار کر دیا۔ ولندیزی جاوا سے نکال دیے گئے اور دوسرے جزیروں میں چلے گئے ۱۶۴۵ء میں سلطان اگنگ کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشینوں کی نااہلی سے یہ سلطنت زوال پذیر ہوگئی سلطان اگنگ کا جانشین ہنگ کورت اپنے نامور باپ کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے ولندیزیوں سے صلح کر لی اور ان کا دوست بن گیا۔ چنانچہ اس کے دربار میں ولندیزی سفیر آیا اور ۱۶۵۵ء میں جیاوا کا معاہدہ ہوا جس کے مطابق ولندیزیوں کو گرم مسالے کی پیداوار کی اجارہ داری دی گئی۔ اور جاوا میں ان کو اپنے مذہب کی اشاعت کرنے کی بھی اجازت ملی۔ اس طرح ولندیزیوں نے ماترم میں قدم جما لیے۔

ولندیزیوں نے جب مکاسر پر قبضہ کیا تو حکمران خاندان کے تمام افراد کو نکال دیا تھا اور وہ بحری قزاق بن گئے تھے۔ مادورا کے ایک شہزادہ ترونا جایا نے ان لوگوں کی امداد حاصل کی اور ولندیزیوں پر حملہ کر دیا۔ ہنگ کورت سلطان ماترم نے ولندیزیوں کا ساتھ دیا۔ لیکن ان کو شکست ہوئی اور ترونا جایا نے ماترم پر قبضہ کر لیا۔ ہنگ کورت جلاوطنی میں مرگیا اور جب اس کا لڑکا امداد کے لیے ولندیزیوں کے پاس گیا تو انہوں نے اس سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ ولندیزیوں کو خراج دیتا رہے گا۔ اس کے بعد انہوں نے ہنگ کورت کے لڑکے کی امداد کے لیے اپنے مقبوضہ علاقوں میں عیسائیوں کی فوج تیار کی۔ ۱۶۸۰ء میں لڑائی ہوئی جس میں ترونا جایا کو شکست ہوئی۔ اور ہنگ کورت کا لڑکا ہنگ کورت دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ کچھ عرصہ بعد وہ ولندیزیوں کا مخالف بن گیا۔ اور آخر کار ۱۷۰۳ء میں جنگ ہوئی جس میں سراپارتی نامی ایک جنرل نے ولندیزیوں پر شب خون مار کر ان کو بری طرح شکست دی۔

ماترم پر تسلط اسی سال ہنگ کورت دوم مرگیا اور اس کا لڑکا ہنگ کورت سوم تخت نشین ہوا۔ اس کے چچا پاکو بوانو نے ولندیزیوں سے خفیہ معاہدہ کیا اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

نکالنے کے لیے امام بونجول نے ایک زبردست تحریک شروع کردی۔ اور ۱۸۲۳ء میں ولندیزیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا گیا۔ اس سلسلہ کی پہلی لڑائیاں بیس سال تک مسلسل جاری رہیں۔ ان میں ولندیزیوں کو کچھ کامیابی ہوئی لیکن ان کا اقتدار قائم نہ ہوسکا۔ اور ان کی مقاومت ہوتی رہی ۱۸۷۰ء میں آچیہ کے سلطان محمود شاہ کا انتقال ہوگیا جو بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کا جانشین بہت کم عمر تھا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھاکر ولندیزی آچیہ میں مداخلت کرنے لگے۔ اور اپنا رعب جمانے کے لیے مسلمانوں پر مظالم شروع کردیے تاکہ ان کے خلاف جہاد کا تصور ختم ہوجائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۷۴ء میں تیونگر نے ولندیزیوں کے خلاف دوسری جنگ شروع کردی جس کا سلسلہ ۱۹۰۷ء تک جاری رہا۔ اس سال آچیہ کو فیصلہ کن شکست ہوئی۔ اور آچیہ پر قبضہ ہوجانے سے پورے سماترہ پر ولندیزیوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

کمپنی کا خاتمہ ولندیزی کمپنی تجارتی منافع حاصل کرنے کی غرض سے قائم کی گئی تھی لیکن انڈونیشیا کے بگڑے ہوئے حالات نے اس کو بہت بڑے ملک کا حاکم بنا دیا۔ انڈونیشیا میں ولندیزی کمپنی نے جب سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا اور اس کا اقتدار بڑھنے لگا تو کمپنی کے مرکزی نگراں ادارہ نے مقبوضات کے حاکم مقرر کیے۔ چنانچہ کمپنی نے انڈونیشیا میں چھ حکومتیں قائم کیں۔ امبون، باندا، ترناتے، مکاسر، مالوکا اور جاوا۔ اور ان سب کا مرکز بٹاویا تھا۔ انڈونیشیا کے علاوہ سیلون اور راس امید میں بھی اس کمپنی نے حکومتیں قائم کی تھیں۔ اور سب حکومتوں کے گورنر اور گورنر جنرل مقرر کیے تھے۔ انڈونیشیا کے علاوہ سیام، بنگال، سورت اور بندرعباس میں ولندیزی کمپنی کے تجارتی مرکز تھے۔ جن کے لیے کمشنر مقرر کیے گئے تھے۔ ولندیزی کمپنی کو بہت وسیع اور زرخیز علاقوں میں تجارت کی اجارہ داری حاصل تھی جس سے وہ کثیر منافع کماتی تھی۔ اس کے علاوہ انڈونیشیا کے مقامی حکمرانوں اور باشندوں سے بھی وہ ہر ممکن طریقے سے کثیر رقمیں وصول کرتی تھی۔ اتنی کثیر آمدنی ہونے کے باوجود کمپنی کے مصارف اس قدر بڑھ گئے تھے کہ انقلاب فرانس کے زمانے میں جب انقلابیوں نے ہالینڈ پر بھی قبضہ کرلیا اور ۱۷۹۸ء میں ولندیزی کمپنی ختم کردی تو وہ دیوالیہ ہوچکی تھی۔ لیکن اس نے ایک وسیع سلطنت پر ولندیزیوں کا اقتدار قائم کردیا تھا۔ کمپنی کے خاتمے کے بعد انڈونیشیا میں اس کے مقبوضات ہالینڈ کی حکومت کو منتقل ہوگئے۔ اور ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے اہم واقعات پیش آئے۔

پاڈانگ کا علاقہ تھا جس کا امیر آچیہ کا محکوم تھا۔ لیکن وہ موقع پاکر خود مختار بن گیا۔ ولندیزی ۱۶۶۵ء میں پاڈانگ آئے اور امیر سے ایک معاہدہ کرکے اس علاقے میں تجارتی حقوق حاصل کیے۔ اور چنگو میں اپنا تجارتی مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد ۱۶۸۱ء میں حالات سے فائدہ اٹھاکر اپنا فوجی مرکز بھی قائم کرلیا۔ جس سے پاڈانگ پر ولندیزی اثر بہت بڑھ گیا۔

لمپونگ | جنوبی سماترہ میں لمپونگ کے علاقہ پر بانتن کے سلطان کا قبضہ تھا۔ ولندیزی جب بانتن پہنچے اور سلطان نے ان کو اپنی سلطنت میں تجارت کرنے کے حقوق عطا کیے تو ولندیزیوں نے لمپونگ میں بھی اپنے تجارتی مرکز قائم کیے۔ سماترہ میں ولندیزیوں کو انگریزوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں آخرکار ولندیزی کامیاب ہوئے اور رفتہ رفتہ اس جزیرہ کے بڑے حصے پر ان کا تجارتی اثر قائم ہوگیا۔

منگ کباؤ | منگ کباؤ سماترہ کا پہاڑی علاقہ ہے جہاں ہند و راجاؤں کی ریاستیں باقی تھیں۔ ولندیزیوں نے ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے۔ اور تجارتی اجارہ داریاں حاصل کرلیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس علاقے میں اپنے خفیہ فوجی اڈے بھی قائم کر دیے۔ انیسویں صدی میں ولندیزیوں نے جھیل طوبا کے علاقہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں اور ان کو عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز بنا دیا۔ راجاؤں کی تائید نے اس علاقے میں ولندیزیوں کو بہت با اثر بنا دیا۔ اس علاقہ کا اہم ترین حکمران خاندان سی سنگا منگا راجاؤں کا تھا۔ اور اس خاندان کا گیارھواں راجہ مسلمان ہوگیا۔ وہ بڑا حریت پسند اور محب وطن تھا اور اس نے ولندیزیوں کو نکالنے کے لیے ۱۸۸۲ء میں جنگ شروع کر دی جو چوبیس سال تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ولندیزیوں کو کئی شکستیں ہوئیں اور تجارتی مراکز نوآبادیاں اور فوجی اڈے سب ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ یہ حال دیکھ کر ولندیزیوں نے سازشوں سے کام لیا اور راجہ کو دھوکہ دے کر قتل کروا دیا۔ اس طرح منگ کباؤ کا علاقہ بھی ولندیزیوں کے زیر اثر آگیا۔

آچیہ | ولندیزی سماترہ کے مختلف علاقوں پر رفتہ رفتہ اپنا اثر قائم کر رہے تھے لیکن اس جزیرہ پر ان کے سیاسی اقتدار کی راہ میں آچیہ کی سلطنت حائل تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس سلطنت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ آچیہ کے حکمران اور عوام سب ہی ولندیزیوں کی چیرہ دستیوں، معاشی استحصال اور مذہبی تشدد کی وجہ سے بہت نالاں تھے۔ چنانچہ ان کو سماترہ سے